جناب پروفیسر منظور احسن عباسی

سیرتِ فاروقِ اعظمؓ کا ایک باب

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات دعائے خلیل کا ایک مجسمہ بن کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئی اسی طرح حضورؐ کی اس دعا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیکر محسوس اختیار کر لیا۔

اللّٰھم اعز الدین بعمر ابن الخطاب! یعنی بارِ الٰہی عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ دین کو برتری عطا فرما (طبقات کبریٰ ابن سعد ج ۳ ص ۲۶۷)

اس وقت ایک ہی نام کے دو اشخاص مکہ معظمہ کے کوچہ و بازار میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے لیکن ان دونوں کی فطری صلاحیتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ ہر چند کہ دونوں کا نام عمر تھا اور قرابتِ صلبی و رحمی کے فرق کے ساتھ دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اب یہ خدا کی شان کہ ایک ابوجہل اور دوسرا فاروقِ اعظم بن گیا۔ حق و باطل کے درمیان صلاحیتِ امتیاز کے لحاظ سے ایک سب سے بڑا جاہل اور دوسرا سب سے بڑا دانا قرار پایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے ایک کے لیے اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور انتخاب خود ذاتِ باری پر چھوڑ دیا اور یہ تمنا کی کہ:

اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر ابن الخطاب او بابی جھل بن الھشام (یعنی خداوندا عمر بن الخطاب اور ابوجہل بن ہشام دونوں میں سے جسے تو پسند فرمائے اس کے ذریعہ اسلام کو برتری عطا فرما) مشیت ایزدی نے محبوبِ ربّ العلمین کے لیے دونوں میں سے عمرؓ بن خطاب کا انتخاب فرما کر اپنے حبیب کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضورؐ نے اٹھایا اور قبائے رسالت کا ایک پھول بنا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ قبیلۂ بنی عدی بن کعب کے اس گل سرسبد کی خوشبو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تا ابد جاری رہنے والی رسالت کی فضاؤں میں پھیلی اور پھیلتی چلی گئی اور آج بھی ہر وہ دماغ جس کی قوتِ شامہ معطل نہ ہو گئی ہو اس کی خوشبو سے معطر ہے۔

یہاں پر یہ تفصیل ضروری نہیں ہے کہ دوسرے عمر کا جسے اللہ تعالیٰ نے رد فرما دیا کیا حشر ہوا صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ایک ناپاک خذف ریزے کی طرح معرکۂ بدر میں غلامانِ سید البشرؐ کے پیروں تلے کچلا گیا اور اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "عمر" کا نام اہلِ عرب میں نہایت مقبول تھا اور غالباً مبارک بھی سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس نام کے کم و بیش ۱۴۵ اشخاص علم و فضل، دیانت و تقویٰ یا شجاعت و بسالت کے پیکر ایسے ہیں جن کے ذکر سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں۔ علامہ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب الفاروق کے آغاز میں یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس کے ہمنام دنیائے اسلام میں سب سے زیادہ ہیں وہ "عمر" ہیں۔ اللہ کو منظور نہ تھا کہ اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کو اسی نام سے پکارا جاتا اس لیے اب دنیا میں نہ اس کا نام عمرؔ مشہور ہے اور نہ اس کی کنیت ابن ہشام سے لوگ آگاہ ہیں بلکہ ابوجہل کے نام سے اس کا ذکر ہوتا ہے اور عمر کی بجائے اس کا نام ابوجہل اس طرح مشہور ہے جس طرح نجدی مدعی نبوت کا نام رحمانِ یمامہ کی بجائے مسیلمہ کذّاب مشہور ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہ رسالت سے فاروق کا لقب عطا ہوا اور امتِ مسلمہ میں وہ حضرت عمر فاروقؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ ابنِ مسعود نے سیرتِ عمرؓ کی پوری تفصیل تین جملوں میں بیان فرمائی ہے کان اسلام عمر فتحًا وھجرتہ نصرًا وامارتہ رحمۃ (منقول از رسالہ الشیخان طٰہٰ حسین صـ ۱۲۹) (یعنی حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح، ان کا ہجرت کرنا دین کی اعانت اور امیر المومنین بننا اللہ کی رحمت تھا) ہم اس مقالہ میں سیرتِ عمر کے ان تین ابواب میں سے صرف ابتدائی دور کا نہایت مختصر ذکر کریں گے جو ان کی سیرت کا باب اوّل ہے۔

حضرت عمرؓ کا پورا نام ابوحفص۔ عمر بن الخطاب بن نفیل عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن ازاح ہے، ان کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم تھا[۱]

ازواج کے نام یہ ہیں:

---

[۱] زرکلی الاعلام جلد ۵ صفحہ ۲۰۳۔ لیکن طٰہٰ حسین نے ان کا نام ہشام درج فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابوجہل کی بہن تھی (الشیخان صـ ۱۲۷) مطبوعہ دار المعارف مصر۔ ابن اثیر جزری نے ثانی الذکر قول کو ضعیف قرار دیا ہے (اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۲)

۱۔ حضرت زینبؓ بنت مظعون۔ حضرت حفصہؓ اور عبدؓ اللہ کی والدہ۔

۲۔ ام کلثومؓ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی۔

۳۔ ملیکہ بنت جرول۔ یہ مسلمان نہیں ہوئیں اس لیے ۶ ہجری میں طلاق ہو گئی۔ ابن سعد نے ان کا نام بھی ام کلثوم بتایا ہے۔ (طبقات ج ۳ ص ۲۶۵)

۴۔ جمیلہ بنت ثابت جن کا یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا۔ اصل نام عاصیہ تھا۔

۵۔ غالباً ایک اور بیوی بھی تھیں جو مسلمان نہیں ہوئیں اس لیے علیحدگی ہو گئی۔

ان کے علاوہ تین کنیزوں کا بھی ذکر آتا ہے کہ یہ تینوں ام ولد تھیں۔ ان میں سے دو کا نام لُہیہ اور فکیہہ تھا (طبقات وغیرہ)

حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ اصحابِ فیل کے تیرہ سال اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سال بعد ہوئی۔ ان کا شمار قبیلۂ قریش کے چوٹی کے شرفا میں تھا اور اندرونی اور بیرونی حکمت عملیوں اور قبائل کے تصفیہ طلب امور میں ان کو حَکَم اور سفیر بنایا جاتا تھا۔

مورخین نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ اوائل عمر ہی سے مشکل پسند اور تند مزاج کے مالک تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ افتادِ طبع ان کے والد خطاب بن نفیل سے ورثہ میں ملی تھی جو اپنے بیٹے پر بہت سختی کرتے تھے۔ خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے سپرد اونٹوں کے چرانے کا کام تھا اگر اس میں ذرا سی بھی غفلت ہوتی تو میرے والد بری طرح مجھے پیٹتے تھے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت ممدوح کے اعلیٰ کردار میں تمام اخلاق فاضلہ اور محاسن فطریہ کے نمونے موجود ہیں۔

محمد حسین ہیکل کا کہنا ہے کہ پرہیزگاری کا ذکر ہو یا بے لوث معدلت گستری کا، پاکیزہ طینتی کا بیان ہو یا مسائل علمیہ و فقہیہ میں تبحّر کا ان تمام محاسن کے لیے حضرت عمرؓ کی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت میں ایک حوصلہ مند اور جری نوجوانوں کے تمام خصائل موجود تھے۔ وہ قدو قامت، چہرہ مہرہ اور عزم و حوصلہ میں ایک بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ عکاظ کے بازار میں جہاں شہزوری اور پہلوانی کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا تھا حضرت عمرؓ کی بارعب شخصیت پہلوانوں کو لرزہ براندام کر دیتی تھی۔ کشتی گیری کے علاوہ شہسواری میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کے دونوں کان پکڑ کر ایک ہی جست میں گھوڑے کو دبوچ لیتے تھے۔

علامہ شبلی نے ان کی قوت تقریر و مذاق شعری کا بھی ذکر فرمایا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں ان سے زیادہ کوئی شخص سخن فہم نہ تھا، تاہم ان کا مذاقِ سخن اصلاحی تھا۔ انھوں نے شعر میں

علانیہ شریعت عورتوں کا نام لے کر اظہارِ تعشق سے منع فرمایا ہے حالانکہ یہ عربی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ ان گنے چنے اشخاص میں سے تھے جن کو لکھنا آتا تھا۔ انھوں نے عبرانی زبان میں بھی اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ علامہ شبلی نے بحوالہ کنز العمال بتایا ہے کہ وہ جس قدر یہودیوں کی روایات پڑھتے تھے اتنا ہی ان سے متنفر ہوتے جاتے تھے جو ان کی فطری پاکیزگی کی دلیل ہے۔

ہر چند کہ حضرت عمرؓ کی درشت مزاجی کا ذکر تمام مؤرخین اسلام و اہل سیر نے کیا ہے تاہم بجز ایک واقعہ کے جو انجام کار اسلام عمرؓ پر منتج ہوا کوئی قابلِ ذکر واقعہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرت میں حضرت عمرؓ کی تشدد پسندی کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی کنیز لُبینہ کو جو مسلمان ہو گئی تھی بری طرح زدوکوب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ تھک جاتے تھے لیکن کنیزوں کی مار پیٹ سے تشدد پسندی کا استدلال درست نہیں کیونکہ ایامِ جاہلیت میں یہ معمولی بات تھی۔ تاہم یہ واقعہ کہ انھوں نے اپنے چچازاد بھائی سعید بن زید کے ساتھ بھی تشدد کیا اور مسلمان ہو جانے کی پاداش میں رسیوں سے باندھا تھا ان کی تند مزاجی کی دلیل میں پیش کیا جا سکتا ہے (سیرۃ النبی جلد ۱) اس کے برعکس ایسے واقعات ان کی کتب سیرت میں مذکور ہیں جن سے ان کی رحم دلی اور نرم مزاجی کا بین ثبوت ملتا ہے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کہنا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ کو غصہ آیا ہو اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو قرآن حکیم کی کوئی آیت سن کر وہ بالکل نرم پڑ جاتے تھے اور سختی کے ارادہ سے باز آ جاتے تھے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں یہ تبدیلی اسلام لانے کے بعد آئی تھی۔

حضرت عمرؓ کی شجاعت اور حوصلہ مندی کا ہر شخص کو اعتراف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مرد شجاع رحم دل ہوتا ہے۔ ان کی تشدد پسندی کا وہ واقعہ جو انجام کار ان کے مسلمان ہونے پر منتج ہوا مختلف تفاصیل کے ساتھ سوانح حیات عمرؓ کا ایک لازمی حصہ ہے اور اس مختصر مضمون میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ جزری نے اس کا ذکر مختلف راویوں کے الفاظ میں کیا ہے منجملہ ان کے حضرت ابن زیدؓ کے دادا اسلم کی روایت کے بموجب حضرت عمرؓ کا اپنا بیان یہ ہے کہ:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھا سخت گرمی میں ایک روز مکہ میں راستے پر جا رہا تھا کہ ایک قریشی نے (جن کا نام محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب الفاروق میں

نُعیم بن عبد اللہ فرمایا ہے مدا؎) مجھے پکارا اور جب میں متوجہ ہوا تو انھوں نے کہا ابنِ خطاب ! تم مسلمانوں کے خلاف بہت باتیں بناتے ہو لیکن تمھیں اپنے گھر کی بھی خبر ہے ۔ اسلام تو وہاں بھی پہنچ گیا۔ تمھاری بہن گمراہ ہوگئی ہے ۔ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی بہن کے گھر پہنچا ۔ دستک دی ۔ آواز آئی ۔ کون ہے ؟ میں نے کہا ابنِ خطاب' وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے جو چھپ گئے (بعض راویوں نے ان میں حضرت خبابؓ کا نام لیا ہے) جو ایک تحریر پڑھ رہے تھے ۔ میری بہن نے دروازہ کھولا ۔ میں نے اس سے کہا اپنی جان کی دشمن ! میں نے سنا ہے کہ تم گمراہ ہوگئی ہو ۔ ساتھ ہی میرے ہاتھ میں کوئی چیز تھی وہ میں نے اس پر دے ماری ، وہ لہولہان ہوگئی اور بری طرح روتے ہوئے اس نے کہا کہ خطاب کے بیٹے ! تمھارا جو جی چاہے کرو میں تو مسلمان ہو چکی ہوں ۔ ہر چند کہ میرا دل ان کی حالت پر پسیجا لیکن غصہ میں بھرا ہوا میں ایک چوکی پر بیٹھ گیا ۔ ناگاہ میری نظر اس تحریر پر پڑی ۔ میں نے بہن سے کہا کہ وہ اٹھا کر مجھے دے ، میں دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے اس نے کہا کہ تم ناپاک ہو جب تک غسل نہ کرو اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے کیونکہ اسے پاک ہوکر ہی کوئی شخص ہاتھ لگا سکتا ہے ۔ چنانچہ میں نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا پھر اس نے وہ ورق مجھے دیا میں نے پڑھا ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لفظ رحیم پڑھ کر مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی ۔ پھر اپنے آپ کو سنبھال کر میں نے دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ " بقول راوی عمرؓ کہتے ہیں کہ اس تحریر میں جہاں کہیں اللہ کا نام آتا میں بے خود ہو جاتا تھا، چنانچہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر یہی کیفیت ہوئی اور جب اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ پر پہنچا تو میں نے بے اختیار کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ " اس واقعہ کی دوسری روایات میں بعض جزئیات کی تفصیل ہے ۔ علامہ نووی کی منقولہ روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ بہن سعیدؓ بن زید کی بیوی تھیں ۔ حضرت سعیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (یعنی ان دس اصحاب میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے) اس وقت وہ اور ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں ۔ علامہ شبلی نے بحوالہ بلاذری و ابن سعد و ابن عساکر و ابن الاثیر بتایا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو دامنِ کوہ صفا میں واقع ہے تشریف فرما تھے ۔ حضرت عمرؓ اسی طرح شمشیر بکف خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ۔ صحابہؓ کو تشویش ہوئی لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو ۔ اگر بری نیت سے آیا ہے تو اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا ۔ حضورؐ نے آگے بڑھ کر عمرؓ کا دامن پکڑ کر کھینچا اور

تحکمانہ انداز میں آنے کا مقصد پوچھا ؛ عمرؓ سوال کی ہیبت سے کانپ گئے اور عرض کیا کہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آیا ہوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کہا اور تمام صحابہؓ نے بھی نعرۂ اللہ اکبر اس طرح بلند کیا کہ فضا گونج اٹھی ۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کا علانیہ اظہارِ اسلام کرنا اور مکہ کے مسلمان مردوں کی قلیل جماعت کا جو اس وقت اہلِ تحقیق کے نزدیک چالیس پچاس افراد سے زیادہ نہ تھی (جزری) اظہارِ مسرت کرنا اور اللہ کا نام بلند کرنا سب کے نزدیک مسلم ہے ۔ بعض متاخرین اور عہدِ حاضر کے محققین مثلاً علامہ محمد حسین ہیکل اور طٰہٰ حسین وغیرہ نے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشدد پسندی اور محض چند آیات کلامِ الٰہی کو سن کر مسلمان ہو جانے پر استعجاب کا اظہار فرمایا اور تنقید کی ہے ۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بارے میں اس روایت کو اہمیت دی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :

"میں عہدِ جاہلیت میں شراب کا دھتیا اور اس کا رسیا تھا اور قریشی وارستہ مزاجوں کی ایک ٹولی میں شامل تھا ۔ ایک روز میں نے ارادہ کیا کہ فلاں مے فروش کے پاس جاؤں اور شراب خرید کر پیوں ۔ وہاں جاکر دیکھا تو کوئی نہ تھا ۔ میں نے کہا چلو کعبہ کا طواف ہی کر لوں ، وہاں جاکر کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھ رہے ہیں ۔ میں نے کہا دیکھنا چاہیے کہ یہ کیا پڑھتے ہیں ؟ اس خیال سے کہ مبادا وہ مجھے دیکھ کر برہم ہوں غلافِ کعبہ کی آڑ لے کر دبے پاؤں ان کے قریب پہنچ گیا ۔ حضورؐ قرآن پڑھ رہے تھے جسے سن کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور اسلام میرے دل میں سما گیا ۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا ۔ میری آہٹ پاکر انھوں نے مجھے دیکھا اور خیال فرمایا کہ میں انھیں اذیت پہنچانے کے ارادہ سے ان کا پیچھا کر رہا ہوں ۔ انھوں نے سختی کے ساتھ مجھے پوچھا کہ اس وقت یہاں تمھارے آنے کا کیا مقصد ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر اور کلامِ الٰہی پر ایمان لانے کا اعتراف کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں ۔ حضورؐ نے کہا ۔ "الحمد للہ" اے عمر ! تجھے اللہ نے ہدایت دی پھر میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی ۔"

علامہ ہیکل نے اس روایت کی تطبیق مسندِ امام احمد کی اس روایت سے فرمائی ہے جس

...ں حضرت عمرؓ کا یہ بیان مروی ہے۔

"میں مسلمان ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کے ارادہ سے نکلا۔ حضورؐ مسجد میں پہلے سے موجود تھے اور سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ میں نظمِ قرآن سے بڑا متاثر ہوا اور دل میں کہا کہ واللہ یہ تو شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ اسی وقت آپؐ نے یہ آیت پڑھی "إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ" اب تو میں نے یہ خیال کیا کہ وہ کاہن (ستارہ شناس) ہیں کہ اتنے میں حضورؐ نے پڑھا وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (تا سورۃ آخر) یہ آیات سن کر ایمان پورے طور پر میرے دل میں جگہ کر گیا۔"

بظاہر یہ تمام روایات ایک ہی واقعہ کی مربوط کڑیاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور مسلسل اور متصل واقع ہوئے لہٰذا ان میں توافق و تطابق کچھ مشکل نہیں ہے۔ عجب نہیں کہ دار ارقم والی روایت سب سے آخری روایت ہو اور دین اسلام کی صداقت کا نقش حضرت عمرؓ کے قلب و ذہن پر اس سے پہلے ہی مرتسم ہونے لگا ہو۔

اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کی جراءتِ ایمان کے مظاہروں کا ذکر ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے جو اس وقت ایک نوعمر لڑکے تھے اس طرح بیان کیا ہے۔

"اگلی صبح کو جمیل بن معمر جمحی کے پاس جا کر حضرت عمرؓ نے بے دھڑک کہا کہ جمیل تمہیں پتہ ہے کہ میں دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل نے انہیں پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے مسجد میں لائے اور سب کو پکار کر کہا کہ اے اہلِ قریش خطاب کا بیٹا گمراہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ شخص جھوٹ کہتا ہے میں تو راہِ راست پر آگیا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ" اس پر لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور قریب تھا کہ جنگ وجدل کی نوبت آجائے لیکن سردست حضرت عاص بن وائل نے بیچ بچاؤ کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔"

اس صبح کا ایک اور واقعہ خود حضرت عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ جس روز میں مسلمان ہوا اس روز تمام رات مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کا خیال آتا رہا۔ صبح ہوتے

ہی میں نے ابوجہل کے گھر پر جا کر دستک دی وہ باہر آیا اور کہا کہ مرحبا خوش آمدید! میرے بھانجے! آج کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں ایک اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو وحی ان پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ تجھے اور تیری اس حرکت کو خدا غارت کرے اور دروازہ بند کر لیا۔

تمام مورخین و سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا ایک طرف تو اسلامی عروج کا فتح الباب تھا اور دوسری جانب قریش اور دوسرے اہلِ مکہ کی عداوت اور عناد کا سر آغاز ہو گیا۔ قریش کی مسلمانوں کو ایذا دہی جو اس وقت تک انفرادی حیثیت کی تھی حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ایک منظم شکل اختیار کر گئی۔ انتہائی المناک اور سفاکانہ تعذیب کے ابتدائی چند مردوں میں حضرت خباب بن الارت، حضرت بلال، حضرت یاسر، حضرت صہیب، حضرت ابوفکیہہ، حضرت عثمان، حضرت ابوذر، حضرت زبیر بن العوام، سعید بن زید۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے۔ جن کی ماں حضرت سمیہ کو ابوجہل نے مسلمان ہونے کی پاداش میں نیزہ مار کر ہلاک کر دیا اور ان کے باپ یاسر کو کافروں نے شہید کر دیا۔ عورتوں میں حضرت سمیہ کے علاوہ لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس پر بھی انتہائی مظالم ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ متعدد مسلمان جن میں مرد اور عورتیں شامل تھیں وطنِ عزیز کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو کر مکہ سے حبشہ چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ خاندان کو جس میں عورتیں اور بچے شامل تھے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جو شعب ابوطالب کے نام سے مشہور ہے محصور کر دیا گیا۔ اور اشیاء خورد و نوش بند کر دی گئیں۔ یہ مقاطعہ قریش نے منظم طور پر ایک معاہدہ کے تحت جس کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا عمل میں آیا۔ خاندانِ نبوت تین سال تک بے کسی اور فقر و فاقہ کی ایک ایسی اذیت میں مبتلا رہا جس کی نظیر تاریخ جبر و تعذیب میں نہ اس سے پہلے سنی گئی اور نہ اس کے بعد پیش آئی۔ محصورین کے علاوہ جو مسلمان باہر تھے بشمول حمزہؓ و عمرؓ ان کو بھی چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن مسلمانوں کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ تین سال کے بعد جبکہ معاہدہ کی تحریر کرم خوردہ ہو گئی اور کچھ رحمدل حضرات سے جو اگرچہ مسلمان نہ تھے محصورین اور ان کے بچوں کی گریہ زاری نہ دیکھی گئی تو انھوں نے اس معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ہوتی گئی اور اسلام کی ترقی کے ساتھ دشمنانِ اسلام کی مخالفت بھی بڑھتی رہی۔ دورِ نبوی کا ایک سال ایسا آیا کہ مخالفین کی اذیت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کر چچا اور بیوی کی وفات کا غم دیکھنا پڑا۔ اس سال کو خود حضورؐ نے عام الحزن قرار دیا ہے دنیوی سہاروں میں سے ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ سے محرومی نے دل برداشتہ کر دیا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کشائش کی آرزو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مکہ سے ہجرت کا حکم آیا اور مناسب تہیۂ اسباب کے ساتھ آپؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عازم مدینہ ہو گئے۔ یہی وہ رات تھی جس میں تمام قبائل قریش نے مل کر بیک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کا عزم کیا تھا۔ حضورؐ نے شام کے جھٹ پٹے میں حضرت علیؓ کو طلب فرما کر ان تمام اشخاص کی امانتیں ان کے سپرد فرما کر واپس کر دینے کی ہدایت فرمائی پھر انہیں اپنے بستر پر سو جانے کا حکم دیا اور اعدائے دین کی نظر بچا کر گھر سے نکل آئے اور حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں سب سے پہلے غارِ ثور میں پناہ لی اور دو تین دن کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا عزم کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کے عزمِ سفر کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے وہ حضرت عمرؓ کی جرأت و بسالت کا ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثبوت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار، نیزے اور تیر کمان سے مسلح ہو کر کعبہ کی طرف آئے، اطمینان کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا اور مخالفین کی مختلف ٹولیاں جو وہاں موجود تھیں ہر ایک کے سامنے درّانہ آ کر کھڑے ہوئے اور بہ آوازِ بلند کہا کہ خدا ان اعدائے دین کو ضرور غارت کرے گا۔ پھر للکار کر کہا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں بے اولاد ہو اس کی اولاد یتیم اور بیوی بیوہ ہو جائے وہ اس وادی سے باہر نکل کر مجھ سے نپٹ لے (محمد حسین ہیکل الفاروق ج ۱ ص۵۵) دوسری طرف خود حضرت عمرؓ کا بیان یہ ہے کہ میں عیاش ابن ربیعہ، ہشام ابن العاص اور ابن وائل چھپ کر روانہ ہوئے تھے لیکن عیاش بعد میں اپنی ماں کے کہنے پر راستہ سے واپس آ گئے جنھیں بعد میں ناقابلِ بیان آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بنا بریں ہشام اور ابن سعد نے پہلی روایت کی صحت سے انکار کیا ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے محض دھمکی دی ہو اور لوگ ان سے خائف ہو کر مزاحم نہ ہوئے ہوں لیکن ہجرت دوسرے مہاجرین کی طرح چھپ کر کی ہو۔ لہٰذا یہ امر واقعہ روایتِ اولیٰ کی تائید کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس اصحاب کے ساتھ ہجرت کی۔ ان اصحاب کی تفصیل مولانا محمد یوسف صاحب سنت پوری نے بحوالہ ابن ہشام اپنی کتاب "فضائل الشیخین" میں درج فرمائی ہے (ص۲۲) یہ تھا سوانح حضرت عمرؓ کے تین ابواب میں سے صرف پہلے باب کا مختصر بیان۔ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور عہدِ خلافت کا بیان فرصتِ حیات و توفیق الٰہی پر موقوف ہے۔